دوپہر کے وقت، تب اینٹ، پتھر، سیمنٹ اور لوہے سے تعمیر شدہ مکانات، پلازے، فلیٹ اور پُل خوب تپ جاتے ہیں، فضا گرم ہو جاتی ہے اور تارکول سے بنی سڑکیں ماحول کو زہریلی گیسوں سے بوجھل اور آلودہ بناتی ہیں۔ درخت اس حدت اور تپش کو کم کرتے ہیں مگر درختوں کا تو ہم نے پہلے ہی صفایا کر چھوڑا تھا لہٰذا زہریلی گیسوں کو کون جذب کرے اور آکسیجن کون مہیا کرے۔

فضا اور ماحول، اہلِ کراچی کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گئے، جس کے نتیجے میں ہزاروں جانیں لقمۂ اجل بن گئیں۔ جب کراچی 'عروس البلاد' کہلاتا تھا اور یہ بہت پرانی بات نہیں ہے۔ کراچی میں مقیم معروف شاعر ماہرالقادری کراچی کے ماحول اور فضا سے اس قدر خوش تھے کہ انھوں نے 'کراچی نامہ' کے عنوان سے کراچی کے لیے ایک قصیدہ مدحیہ لکھا۔ اس میں انھوں نے شہر کے حُسن و جمال اور خوب صورتی کا نقشہ کھینچا ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

کراچی ہے سب بستیوں کی دلھن   یہاں ہر طرف ہے نرالی پھبن
یہاں باغ اور سیرگاہیں بھی ہیں   یہاں چوک اور شاہراہیں بھی ہیں

۵- یہ عروس البلاد صدیوں میں بنا تھا۔ صدیوں کے 'بناؤ' کو ہم نے چند برسوں میں 'بگاڑ' میں بدل کر رکھ دیا۔ خیال رہے کہ ماحول کو بگاڑنے کی انفرادی کوشش سے اتنی خرابی پیدا نہیں ہوتی لیکن جب چاروں طرف بکثرت سیمنٹ اور لوہے کی آسمان کو چھوتی ہوئی عمارتیں اور جگہ جگہ اونچے اونچے پُل بنائے جائیں تو پھر فطرت بھی انتقام لیتی ہے۔

پاکستان کے کچھ اور بڑے شہروں (لاہور، اسلام آباد، ملتان، پشاور) میں جس طرح کے منصوبے بنائے گئے ہیں اور کچھ بنائے جا رہے ہیں انھیں بروے کار لانے کے لیے ماحول دوست ہزاروں درختوں کو بے دردی کے ساتھ کاٹا گیا۔ لاہور میں نہر کے دونوں کناروں پر سڑکوں کو وسیع کرنے کے لیے ہزاروں کی تعداد میں درخت کاٹے گئے۔ آخرکار ہائی کورٹ کو درخت کاٹنے پر پابندی لگانی پڑی۔ (برسبیل تذکرہ: سڑکوں کو محض چوڑا کرنے سے ٹریفک کا بہاؤ تیز نہیں ہوتا۔ پیرس اور لندن کی بہت سی سڑکیں ہماری سڑکوں کے مقابلے میں بہت کم چوڑی ہیں، مگر وہاں ٹریفک نہیں رُکتی۔ کیوں کہ قواعد کی سختی سے پابندی کرائی جاتی ہے۔ یہاں تو خود ٹریفک پولیس والے قوانین کی خلاف ورزی کر رہے ہوتے ہیں۔)

کراچی میں درجۂ حرارت شاید ۴۹ درجے تک چلا گیا تھا۔ پنجاب اور سندھ کے دیہاتوں میں بعض اوقات درجۂ حرارت اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے لیکن وہاں گرمی کی شدت سے بہت کم اموات ہوتی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ دیہات کا ماحول آلودہ نہیں ہوتا۔ فضا صاف ستھری اور زہریلی گیسوں سے پاک ہوتی ہے۔ چاروں طرف بکثرت سبزہ اور درخت موجود ہوتے ہیں جو رات کو زہریلی گیس جذب کرتے ہیں اور دن بھر آکسیجن چھوڑتے ہیں اور اس طرح ماحول کو صاف بناتے رہتے ہیں۔ اس طرح ۲۴ گھنٹے انسانوں کی خدمت میں لگے رہتے ہیں۔

اچھے یا برے ماحول کا اثر انسانی طبیعتوں پر پڑتا ہے۔ جب دم گھٹے گا، ناک میں دھواں جائے گا، تو عین ممکن ہے کسی کے لیے منہ سے کوئی برا لفظ نکل جائے یا بددعا نکلے۔ اس کے برعکس اگر فضا خوش گوار ہوگی، سبزہ، درخت اور پھول پھلواری نظر آئے گی تو طبیعت میں انبساط پیدا ہوگا۔ مجھے فضل کریم احمد فضلی کے ناول خون جگر ہونے تک کا ایک نمایاں کردار ذلیل الدّی یاد آرہا ہے، جو ایک غریب شخص تھا مگر بلبل کی آواز سن کر خوش ہوتا اور جھوم جھوم جاتا۔ پھر دن یا رات کے کسی لمحے وہ تصور ہی تصور میں بلبل کی آواز کو یاد کر کے ایک خود ساختہ مصرع پڑھا کرتا تھا ع

بلبل کی چیں چیں میں آوازِ مرحبا ہے

کائنات میں سب سے اہم چیز کیا ہے؟ 'انسان' اگر وہی پریشان ہے، مضطرب اور بے چین ہے اور فضائی آلودگیوں کے سبب طرح طرح کے امراض کا شکار ہو رہا ہے تو پھر یہ ترقی، تیز رفتار میٹرو، اُونچے اُونچے پلازے اور دولت کی ریل پیل سب کچھ ہیچ ہے۔ اگر ماحول بہتر نہ بنایا گیا تو بیماریاں بڑھتی جائیں گی۔ طرح طرح کے وائرس اور جراثیم انسان کو سکون کا سانس نہیں لینے دیں گے۔

یہ ایک انسانی مسئلہ ہے۔ بڑے شہروں کے ماحول کو بہتر بنانے، موجود آلودگیوں کو کم کرنے اور مزید آلودگیوں سے بچانے کے لیے انفرادی اور اجتماعی کوششیں کرنی چاہییں۔ جس حد تک ممکن ہو ماحول دشمنانہ اقدامات کو قوت اور طاقت سے روکنا چاہیے (اگر سیاسی پارٹیاں اس مسئلے کا ادراک کرلیں تو ان کا احتجاج مؤثر اور ان کی کوششیں کامیاب ہوسکتی ہیں)۔ اگر قوت نہیں ہے تو زبان ہی سے، تقریروں اور تحریروں کے ذریعے احتجاج فرض ہے کیوں کہ یہ ایک انسانی مسئلہ ہے۔